لغات واعراب قرآن (۳۹)

پروفیسر حافظ احمد یار

سورۃ البقرۃ (۲۶)

آیت ۳۶، ۳۷

(گزشتہ سے پیوستہ)

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیر مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحث اربعہ (اللغہ، الاعراب، الرسم اور الضبط) میں سے زیر مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغہ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳، اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے۔ بحث اللغہ میں چونکہ متعدد کلمات زیر بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ا کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲ : ۵ : ۱ (۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲ : ۵ : ۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

۲ : ۲۶ : ۱ (۱۱) [فَتَلَقّٰی] کی ابتدائی "فاء (فَ)" تو عاطفہ بمعنی "پس" ہے جس میں "پھر یہ ہوا کہ" (یعنی ترتیب اور تعقیب) کا مفہوم موجود ہے۔ اور اسے "فاء الاستیناف" بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہاں سے ایک نئے جملے اور نئے مضمون کا آغاز بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

اور "تَلَقّٰی" کا مادہ "ل ق ی" اور وزن "تَفَعَّلَ" ہے۔ یہ دراصل "تَلَقَّیَ" تھا جس میں آخری "یائے متحرکہ ماقبل مفتوح الف میں بدل کر" بولی جاتی ہے اگرچہ لکھی "ی" ہی جاتی ہے اور اس کو الف کی طرح پڑھنے کی وجہ سے اسے "الف مقصورہ" بھی کہتے ہیں اور اس

© rasailojaraid.com

سے لئے بھی کہ الف کی آواز یہاں مد والے الف (ممدودہ) کے مقابلے پر کم لمبی ہوتی ہے۔

● اس مادہ (لقی) سے فعل مجرد (لَقِيَ يَلْقَى = ملنا) کے باب معنی اور استعمال کی وضاحت البقرہ: ۱۴ یعنی ۲ : ۱۱ : ۱ (۱) میں کی جا چکی ہے۔ زیر مطالعہ کلمہ "تلقّٰی" اس مادہ (لقی) سے باب تفعل کا فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔ اور اس باب (تفعل) سے فعل "تَلَقّٰی ..... يَتَلَقّٰی تَلَقِّيًا" کے بنیادی معنی: "..... حاصل کرنا، وصول کرنا" ہیں۔ پھر اس سے اس میں "سیکھنا، سیکھ لینا" کے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ جو چیز سیکھی یا حاصل کی جائے وہ براہ راست مفعول بہ (بنفسہ) ہو کر آتی ہے (جیسے یہاں "کلمات" آرہا ہے) اور جس سے کوئی چیز سیکھی یا لی جائے اس سے پہلے "مِنْ" لگتا ہے مثلاً کہیں گے "تلقّٰی الشَّیْءَ منه = اخذه منه (اس نے وہ چیز اس سے لی)۔ جیسے یہاں آیت میں بھی "منه" آیا ہے۔ اور اگر یہ کہنا ہو کہ "علم فلاں سے سیکھا تو "عَنْ" استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کہیں گے تلقّٰی العلمَ عَنْ فلانٍ (اس نے علم فلاں سے سیکھا)۔

● خیال رہے کہ اس فعل (تلقی) کے ماضی کے پہلے اور مضارع کے پانچ (ضمہ اخیرہ والے) صیغوں میں "یاء" ماقبل مفتوح الف میں بدلتی ہے (بلحاظ تلفظ) اور اس باب سے مصدر اور اسم فاعل رفع اور جر میں "تَلَقٍّ اور مُتَلَقٍّ" مگر نصب میں "تَلَقِّيًا اور مُتَلَقِّيًا" ہوتے ہیں۔

[آدَمُ] (جو ابوالبشر یا انسان اول کا نام ہے اور یہاں ہم نے اسے پاکستانی قاری کی آسانی کے لیے برسم املائی لکھا ہے) کے امکانی مادہ اور اشتقاق کے بارے میں لغوی بحث البقرہ: ۳۱ یعنی ۲ : ۲۳ : ۱ (۲) میں گزر چکی ہے۔

© rasailojaraid.com

[مِنْ رَّبِّہٖ] یہ تین کلمات "مِنْ" (سے) + "ربّ" (پروردگار) + "ہٖ" (ضمیر مجرور بمعنی "اس کا، اپنا") کا مرکب ہے۔
"مِنْ" کے استعمال اور معانی پر البقرہ: ۲ یعنی ۲:۲:۱(۵) میں، "ربّ" کی لغوی بحث الفاتحہ: ۲ یعنی ۱:۲:۱(۳) میں مفصل ہو چکی ہے۔

یہاں "مِنْ" ابتدائیہ (بمعنی "......کی طرف سے") ہے۔ تاہم اکثر مترجمین نے اس کا ترجمہ صرف "سے" کرتے ہوئے اس پوری ترکیب (من ربہ) کا ترجمہ "اپنے پروردگار سے" کیا ہے۔ بعض نے "اپنے مالک سے" اور بعض نے "اپنے رب سے"۔ لفظ "مالک" میں "رب" کا لغوی روپ موجود ہے (دیکھئے ۱:۲:۱(۳) میں) اور لفظ "رب" اپنے اصطلاحی مفہوم کے ساتھ اردو بلکہ پنجابی میں بھی متداول ہے۔ بلکہ کم از کم۔ برصغیر میں تو غیر مسلم (ہندو سکھ وغیرہ) بھی اسے استعمال کرتے ہیں۔ البتہ جن حضرات نے اس کا ترجمہ "اپنے اللہ سے" کیا ہے۔ وہ صرف مفہوم کو ظاہر کرتا ہے لفظ سے مطابقت نہیں رکھتا۔

۲:۲۶:۱(۱۲) [کَلِمٰتٍ] یہ لفظ "کَلِمَۃ" کی جمع مؤنث سالم ہے۔ اور لفظ "کلمۃ" کا مادہ "ک ل م" اور وزن "فَعِلَۃٌ" ہے۔ اس ثلاثی مادہ سے فعل مجرد "کلَم ..... یکلِم کلْمًا" (عموماً باب ضرب سے اور شاذ باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی ہیں: "......کو زخمی کرنا" زخم کو عربی میں "کَلْمٌ" بھی کہتے ہیں (جس کی جمع "کُلُوم" ہے)۔ اور زخمی کو عربی میں "مَکْلُوم" بھی کہتے ہیں۔ تاہم قرآن کریم میں اس فعل مجرد کا کوئی صیغہ کہیں استعمال نہیں ہوا۔ البتہ مزید فیہ کے ابواب تفعیل اور تفعل سے مختلف صیغے قریباً ۲۵ جگہ آئے ہیں۔

● لفظ "کَلِمَۃ" جو اس مادہ (کلم) سے ماخوذ ایک اسم جامد

© rasailojaraid.com

ہے (یعنی حسبِ قواعد مشتق نہیں) اس کے بنیادی معنی "بات" ہیں۔
پھر اس سے یہ لفظ متعدد اصطلاحی اور مجازی معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً نحویوں کی اصطلاح میں کسی بامعنی "لفظ" کو کلمہ کہتے ہیں جس کی تین قسمیں اسم، فعل اور حرف ہیں۔ پھر یہ لفظ (کلمۃ) "تقریر، کہاوت، بول، خطاب، قصیدۃ، حکم، فیض، اہمیت، وزن، رسوخ، اختیار اور مرتبہ" کے معنوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ بصیغہ واحد (کلمۃ) قرآن کریم میں ۲۸ جگہ اور اس کی جمع سالم (کلمات) اور مکسر (کَلِم) مفرد اور مرکب مختلف صورتوں میں قریباً ۴۲ مقامات پر وارد ہوئے ہیں۔ یہاں اس لفظ (کلمات) کا ترجمہ "کچھ باتیں، کئی باتیں، چند باتیں، چند الفاظ، کچھ کلمے، کچھ کلمات اور کچھ الفاظ" سے کیا گیا ہے۔ اس میں "کچھ کئی اور چند" تو علامتِ نکرہ ہیں۔ اور "باتیں یا الفاظ" کی بجائے "کلمات" ہی رہنے دینا اس لیے بہتر ہے کہ یہ لفظ (کلمات) اپنے اصل معنی کے ساتھ اردو میں مستعمل ہے۔ بہرحال یہاں "کلمات (یا الفاظ یا باتوں) سے مراد" دعاء و استغفار کے کچھ کلمات یا الفاظ ہیں جو آدمؑ کو سکھائے گئے۔ واللہ اعلم۔

۲:۲۶:۱ (۱۳) [فَتَابَ عَلَیْہِ] یہ چار الفاظ یعنی "فَ" (پس) + "تَابَ" (جس پر ابھی بات ہوگی) + "علی" (پر، اوپر) + "ہٖ" (ضمیر مجرور بمعنی "اس") سے مرکب ایک جملہ ہے۔ ان میں سے نیا قابلِ مطالعہ لفظ "تَابَ" ہے۔

● "تَابَ" کا مادہ "ت و ب" اور وزنِ اصلی "فَعَلَ" ہے۔ اس کی شکلِ اصلی "تَوَبَ" تھی۔ جس میں "واو متحرکہ ماقبل مفتوح الف میں بدل کر لکھی اور بولی جاتی ہے" یعنی "تَوَبَ" "تَابَ" ہو جاتا ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "تاب یتُوبُ (دراصل توَب یتوُب)

توبۃً و متابًا "(باب نصر سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی "رجَع" یعنی "واپس مڑنا یا لوٹ آنا" ہیں۔ اس کا استعمال زیادہ تر گناہ اور بری باتوں سے "باز آنے" کے لیے ہوتا ہے۔ اور چونکہ اس کا مصدر "توبۃ" اردو میں اپنے اصل معنی کے ساتھ متداول ہے اس لیے "تاب یتوب" کا ترجمہ "توبہ کرنا" بھی ہو سکتا ہے۔ تاہم عربی میں اس کا استعمال دوطرفہ ہے۔

● جب یہ فعل بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے سامنے گناہوں کے اعتراف اور آئندہ کے لیے ان سے اجتناب کے ارادے کو ظاہر کرے تو اس فعل کے ساتھ "اِلیٰ" کا صلہ استعمال ہوتا ہے یعنی "تاب الی اللّٰہ" کے معنی ہوں گے "وہ اللہ کی طرف مڑا، اس نے اللہ کے آگے توبہ کی"۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے بندہ پر توجہ فرمانے کا ذکر کرنا ہو تو اس فعل کے ساتھ "علی" کا صلہ لگتا ہے۔ یعنی "تابَ اللّٰہ علیہ" کے معنی ہیں "اللہ نے اس پر توجہ فرمائی، اس کی توبہ قبول کی یا اس کو توبہ کی توفیق دی"۔

● یہ فعل تین طرح استعمال ہوتا ہے (۱) جب یہ اللہ تعالےٰ کے فعل کے طور پر آئے تو اس کے ساتھ "علی" کا صلہ ضرور استعمال ہوتا ہے۔ مگر جب یہ بندے کے فعل کے طور پر ہو تو (۲) کبھی "الی" کا صلہ استعمال ہوتا ہے اور (۳) کبھی صلہ اور مابعد صلہ مجرور حذف کر دیا جاتا ہے اگرچہ مقدر (Understood) ہوتا ہے یعنی "الی اللّٰہ" یا "الی ربہ" وغیرہ مراد ہوتا ہے۔ جیسے "فمن تاب من بعد ظلمہ (المائدہ:۳۹)" میں ہے۔

قرآن کریم میں یہ فعل ثلاثی مجرد مذکورہ بالا تینوں صورتوں میں استعمال ہوا ہے۔ (۱) قریبًا ۲۳ جگہ یہ فعل اللہ تعالیٰ کے فاعل ہونے (توبہ قبول کرنا۔ توجہ فرمانا) کے لیے اور ہر جگہ "علی" کے صلہ کے ساتھ آیا ہے۔ (۲) [illegible] جگہ یہ فعل بندے کے فعل (توبہ کرنا) کے طور پر اور

© rasailojaraid.c

"الی" کے صلہ کے ساتھ استعمال ہوا ہے اور (۳) ~~چھبیس~~ ۲۶ مقامات پر یہ فعل (تاب یتوب) کسی صلہ کے بغیر آیا ہے اور ان تمام مقامات پر یہ بندے کے عمل (توبہ کرنا، اللہ کی طرف رجوع کرنا) کے معنی میں آیا ہے۔

● یعنی بندے کا فعل ہونے کی صورت میں یہ صلہ (الی) کے ساتھ بھی اور صلہ کے بغیر بھی استعمال ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا فعل ہونے کی صورت میں اس کے ساتھ "علی" کا صلہ لازماً آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں "تاب علیہ" آیا ہے یعنی "اس (رب) نے اس (آدم) پر متوجہ ہوا/، توجہ فرمائی، اس کی توبہ قبول کر لی"۔ بیشتر مترجمین نے اسی ترجمہ کو اختیار کیا ہے۔ البتہ بعض نے اس (فتاب علیہ) کا ترجمہ "اس کا قصور معاف کر دیا" کیا ہے جو لفظ سے یقیناً دور ہے۔

[اِنَّہٗ ھُوَ] میں "اِنَّ" کے بعد جو دوبار ضمیر (منصوب اور مرفوع) جمع ہوئی ہیں، اس کی وجہ سے اس کا ترجمہ "یقیناً وہی تو" ہوگا۔ جسے اکثر نے صرف "وہی" اور بعض نے "وہ تو ہے ہی" کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔

۲:۲۶:۱(۱۴) [التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ] یہ اللہ تعالیٰ کے دو صفاتی نام ہیں، جن کی لغوی تشریح یوں ہے:-

"التواب" کا مادہ "ت و ب" اور وزن (لام تعریف نکال کر) "فَعَّال" ہے جو مبالغہ کا ایک وزن ہے۔ اس مادہ سے فعل کے معنی وغیرہ ابھی اوپر ۲:۲۶:۱ (۱۳) میں بیان ہوئے ہیں۔ اس فعل کا فاعل کوئی بندہ ہو تو اسے "تائب" (اسم الفاعل) یعنی "توبہ کرنے والا" بھی کہتے ہیں اور "توّاب" (اسم المبالغہ) یعنی "بار بار توبہ کرنے والا" بھی۔ قرآن کریم میں مومنوں کی تعریف "التائبون" (التوبہ: ۱۱۲) بھی آئی ہے اور "التوابین" (البقرہ: ۲۲۲) بھی — اور جب اس فعل (تاب یتوب) کا فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہو تو اسے صرف "توّاب" (بار بار توجہ فرمانے

© rasailojaraid.com

والا / توبہ قبول کرلینے والا) ہی کہتے ہیں ۔ قرآن کریم میں زیادہ تر (۱۱ جگہ) یہ اسم صفت اللہ تعالیٰ کے لیے ہی آیا ہے ۔ زیرِ مطالعہ آیت میں "التواب" اللہ تعالیٰ کے لیے ہی استعمال ہوا ہے ۔ اس لیے یہاں اس کا ترجمہ "بہت زیادہ یا بار بار توبہ قبول کرلینے والا" ہوگا ۔ " اَلرَّحِیْمُ " کا مادہ " ر ح م " اور وزن (لام تعریف نکال کر) " فَعِیْلٌ " ہے ۔ اس مادہ سے فعل مجرد کے معنی و استعمال نیز لفظ " الرحیم " کی لغوی تشریح الفاتحہ ۲ یعنی ۱:۱:۱(۳) میں کی جاچکی ہے ۔

۲ : ۲۶ : ۲ الاعراب

© rasailojaraid.com

فازلهما الشيطن عنها فاخرجهما مما كانا فيه ص وقلنا اهبطوا بعضكم لبعض عدو ج ولكم فى الارض مستقر ومتاع الى حين ○ فتلقى آدم من ربه كلمات فتاب عليه ط انه هو التواب الرحيم ○

نحوی اعتبار سے زیرِ مطالعہ دو آیات پانچ چھوٹے جملوں پر مشتمل ہیں جن کے درمیان ہم نے اوپر ایک خط (ـــ) ڈال کر لکھا ہے ۔ اس طرح پہلی آیت (۳۶) میں تین جملے اور دوسری (۳۷) میں کل دو جملے بنتے ہیں ۔ اسی لیے ان تین مقامات پر مختلف علاماتِ وقف بھی ڈالی جاتی ہیں ۔

ہر ایک حصے کے اعراب کی تفصیل یوں ہے :

(۱) فازلّهما الشيطن عنها فاخرجهما مما كانا فيه ـــ

[فازلّهما] جو " فَ " + " ازل " + " هما " کا مجموعہ ہے اس میں " فَ " عطف کے لیے ہے جس میں شامل ترتیب اور تعقیب کے مفہوم کی بناء پر اس کا ترجمہ یہاں " پھر اس کے بعد یوں ہوا کہ " ہوسکتا ہے جسے اردو فارسی میں صرف " پس یا چنانچہ " سے بھی ظاہر کیا جاتا ہے ۔

© rasailojaraid.com

اور " اَزَلَّ " فعل ماضی معروف صیغہ واحد مذکر غائب ہے جس کے ساتھ ضمیر منصوب " ھما " بطور مفعول بہ آئی ہے (جب مفعول بہ کوئی ضمیر ہو تو وہ فاعل سے پہلے لائی جاتی ہے) اور [الشیطانُ] اس فعل (ازلّ) کا فاعل (لھذا) مرفوع ہے۔ علامتِ رفع آخری "ن" کا ضمہ (ـُـ) ہے۔ [عنھما] جار (عن) اور مجرور (ھا) مل کر متعلق فعل (ازلَّ) ہیں۔ اور یہاں ضمیر (ھا) کا مرجع "الجنۃ" بھی ہو سکتا ہے اور "عَن" کو تعلیلیہ سمجھیں تو یہ مرجع "الشجرۃ" بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ دونوں طرح سے ترجمہ پہ حصہ "اللغۃ" میں بات ہو چکی ہے۔ [فَاَخرَجَھما] میں بھی (فاء (فَ)) عاطفہ سببیہ ہے یعنی "اس کے سبب سے" ۔ اور اس (فا) کے ذریعے یہ جملہ (فاخرجھما) سابقہ جملے (فازلّھما) پر عطف ہو کر سب ایک ہی جملہ بنتا ہے۔ "اَخرَجَ" فعل ماضی معروف صیغہ واحد مذکر غائب ہے اور "ھما" ضمیر منصوب (تثنیہ) اس فعل (اخرَجَ) کا مفعول بہ ہے۔ [مِمّا] "مِنْ" (جار) اور "ما" (موصول مجرور) ہے اور یہ مرکب جاری (مِمّا) متعلق فعل (اَخرَجَ) ہے۔ حصہ "اللغۃ" میں بیان ہو چکا ہے کہ اس مبہم اسم موصول (مَا = جو کہ) کا تعین کرنے کے لیے مترجمین نے کس طرح تفسیری کلمات کا اضافہ کیا ہے۔ (دیکھئے ۲ : ۲۶ : ۱(۴)) ___ [کانا] فعل ناقص صیغہ ماضی تثنیہ مذکر ہے جس میں "کانا" کا اسم "ھما" (ضمیر مرفوع) مستتر ہے۔ اور [فیہ] جار (فی) اور مجرور (ہ) مل کر "کانا" کی خبر کا کام دیتا ہے یعنی قائم مقام خبر ہے۔ اصل خبر کوئی مناسب محذوف اسم ہے مثلاً "ساکنَین"۔ اور اس (فیہ) میں آخری ضمیر اسم موصول (مَا) کی ضمیر عائد ہے اس لیے اردو میں اس کا ترجمہ "اس" کی بجائے "جس" سے کیا جاتا ہے۔ یعنی "کانا فیہ" اسم موصول "مَا" کا صلہ ہے اور صلہ موصول

© rasailojaraid
© rasailojaraid

(مَا کانا فیہ) مل کر " مِن " کے مجرور ہیں۔ اور یہ پورا جار مجرور (مِنْ ما کانا فیہ) فعل " اخرج " سے متعلق ہے۔ یعنی کہاں سے نکالا ہے کا جواب یا وضاحت ہے۔

(۲) وقلنا اھبطوا لبعضکم لبعض عدُوٌّ ۔

[وَ] عاطفہ ہے جو اپنے ما بعد والے مضمون (جملہ) کو ماقبل والے مضمون (جملہ) سے ملاتی ہے [قُلْنَا] فعل ماضی معروف صیغہ جمع متکلم ہے جس میں فاعل ضمیر تعظیم " نحن " مستتر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ [اھبطوا] فعل امر معروف صیغہ جمع مذکر حاضر ہے جس میں ضمیر فاعلین " انتم " مستتر ہے۔ یعنی اب صیغہ تثنیہ کی بجائے زجو اوپر پانچ جگہ " کُلا " ، " شئتما " ، " لاتقربا " ، " فتکونا " اور " کانا " کی صورت میں آیا ہے) صیغۂ جمع استعمال ہوا ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب مخاطب " دو سے زیادہ " ہیں واللہ اعلم۔ ویسے کلام عرب میں واحد تثنیہ اور جمع کے صیغے (اسماء و افعال) ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں [لبعضکم] میں " بعضُ (مضاف) اور " کُمْ " (مضاف الیہ) مل کر (مرکب اضافی) مبتدأ ہے اس لیے " بعضُ " مرفوع ہے جس میں علامت رفع " ض " کا ضمہ (ـُـ) ہے۔ [لِبَعْضٍ] جار (لِ) اور مجرور (بعضٍ) - جس میں تنوین الجر " ـٍـ " ہی علامت جر ہے) مل کر متعلق خبر مقدم ہیں جو (خبر) آگے آرہی ہے [عَدُوٌّ] یہی مبتدأ (بعضکم) کی خبر (لھذا) مرفوع ہے اور اس میں علامت رفع تنوین رفع " ـٌـ " ہے۔ گویا سادہ نثر میں یہ عبارت یوں تھی " بعضکم عدوٌّ لبعضٍ "۔ اور یہ ایک جملہ اسمیہ ہے جو یہاں فعل " اھبطوا " کی ضمیر فاعلین (انتم) کے حال کا کام دے رہا ہے۔ اس لیے اس (جملہ) کو محلاً منصوب بھی کہہ سکتے ہیں یعنی " باہم ایک دوسرے کے دشمن ہوتے ہوئے " / ہو کر (اتر

© rasailojaraid.c

جاذٌ) " کے مفہوم میں۔ اسی لئے " اھبطوا " کے بعد وقف نہیں کیا گیا۔

(۳) ولکم فی الارض مستقر و متاع الی حین

[وَ] مثل سابق عاطفہ (دو جملوں کے مفہوم کو ملانے کے لیے) ہے۔ [لکم] جار (لِ) مجرور (کم) مل کر قائم مقام خبر مقدم اور..... [فی الارض] بھی جار (فی) اور مجرور (الارض) مل کر قائم مقام خبر (مقدم) ثانی ہے۔ اور [مستقرٌ] مبتدأ مؤخر نکرہ مرفوع ہے۔ گویا دراصل سادہ نثر میں یہ عبارت " ولکم مستقرٌ فی الارض " تھی۔ " فی الارض" کی تقدیم کی وجہ سے اس کا ترجمہ " زمین ہی میں " کے ساتھ ہونا چاہیے جسے اردو مترجمین میں سے صرف ایک نے ہی اختیار کیا ہے [وَ متاعٌ] کی "واو" عاطفہ ہے جس سے لفظ " مَتاعٌ " کا عطف " مستقرٌ " پر ہے اسی لیے متاعٌ بھی (دوسرا مؤخر مبتدا ہو کر مرفوع ہے اور [اِلٰی حِینٍ] جار (الی) اور مجرور (حینٍ) مل کر " متاع " کی صفت کا کام دے رہا ہے یعنی " متاعٌ " نکرہ موصوفہ ہے۔ اس طرح " متاعٌ الی حین " کا مطلب ہوا " ایسا متاع (سامان) جو صرف کچھ عرصے تک کے لیے ہوگا "۔ یعنی آخر کار یہ (متاع والا) سلسلہ ختم ہونے والا ہوگا۔

(۴) فتلقی آدم من ربہ کلمت فتاب علیہ۔

[فتلقی] کی " فَ " مستانفہ ہے یعنی " پھر اس کے بعد یوں ہوا کہ " کا مفہوم دیتی ہے اور " تلقی " فعل ماضی معروف صیغہ واحد مذکر غائب ہے اور [آدمُ] اس فعل کا فاعل (لہذا) مرفوع ہے علامت رفع آخری " م " کا ضمہ (ـُـ) ہے (" آدم " غیر منصرف ہے) [مِن ربّہ] میں " مِن " حرف الجر ہے اور " ربہ " میں " ربّ " (مضاف) اور ضمیر " ہ " (مضاف الیہ) مل کر " مِنْ " کا مجرور ہے۔ اور لفظ " ربّ " مجرور بالجر بھی ہے اور آگے مضاف بھی ہے اس لیے خفیف ہے۔ اور یہ پورا مرکب جاری

© rasailojaraid

(من ربه) فعل "تلقّی" سے متعلق ہے۔ [کلماتٍ] فعل "تلقی" کا مفعول بہ (لہذا) منصوب ہے علامتِ نصب آخری "تِ" ہے۔ اصولی طور پر جملے کی ترتیب فعل، فاعل، مفعول اور پھر متعلقات فعل کی ہوتی ہے۔ اس لیے اس عبارت کی سادہ نثر "فتلقی آدمُ کلماتٍ من ربه ہوگی۔ مگر "من ربه" (متعلقِ فعل) کی مفعول پر تقدیم (پہلے آنا) سے ایک تو عبارت میں وہ شاعری والی خوبی پیدا ہوگئی ہے (جس کی بابت پہلے بات ہو چکی ہے)۔ دوسرے اس تقدیم سے معنی میں حصر کا مفہوم پیدا ہوگیا ہے اب اس کا ترجمہ "اپنے رب ہی کی طرف سے" ہونا چاہیئے۔ یعنی یہ کلمات بھی پروردگار نے ہی ان کے دل میں ڈال دیے۔ توبہ کی توفیق بھی رب ہی کی طرف سے ملتی ہے اور پھر وہ قبول بھی خود ہی فرماتا ہے۔ تاہم اردو کے بیشتر مترجمین نے اس "ہی" والی بات کو نظر انداز کیا ہے۔ [فتاب علیه] یہ ایک جملہ ہے جس کی ابتدائی "فاء (فَ)" عاطفہ ہے جو ایک محذوف (مگر مفہوم) عبارت پر عطف کے لیے آئی ہے یعنی "فقالها" (پس آدم نے وہ سیکھے ہوئے کلمات کہے پس اس پر) "تاب علیه" میں "تاب" فعل ماضی معروف ہے مع ضمیر فاعل مستتر (هو) ہے جو اللہ تعالیٰ (ربه) کے لیے ہے۔ "علیه" جار مجرور متعلق فعل "تاب" ہیں۔ یا "علیٰ" کو فعل کا صلہ سمجھیں تو "علیه" کو (بطور مفعول) محلاً منصوب بھی کہہ سکتے ہیں۔

(۵) انه هو الغفور الرّحیم

[انه] "اِنّ" حرف مشبہ بالفعل اور ضمیر منصوب (ہ) اس کا اسم ہے۔ [هُوَ] ضمیر فاصل ہے۔ [التوابُ الرحیمُ] "اِنّ" کی خبر اول اور خبر ثانی بھی ہو سکتے ہیں۔ (اسی لیے مرفوع ہیں)۔ اور اگر ایک صفت کو دوسری صفت کا موصوف مان لیا جائے (اور نحو میں یہ بھی جائز ہے) یعنی "ایسا توّاب" جو "رحیم" بھی ہے۔

© rasailojaraid.com

تو یہ " اِنَّ " کی اکٹھی ایک خبر بھی بن سکتی ہے ـــــــ اور اگر " ھُوَ " کو مبتدأ سمجھ لیا جائے اور " التواب الرحیم " کو اس کی خبر معرفہ قرار دیں تو پھر یہ پورا جملہ اسمیہ (ھوالتواب الرحیم) " اِنہٗ " کے " اِنَّ " کی خبر ہوگا۔ دونوں صورتوں میں (ضمیرِ فاصل یا خبر ہونے کی بنا پر) اردو ترجمہ "وہ ہی" ، " وہ ہی تو " یا " وہ تو ہے ہی " کے ساتھ کیا جائے گا۔

۲ : ۲۶ : ۳ الرسم

زیرِ مطالعہ قطعہ (۲ : ۲۶) میں صرف درج ذیل پانچ کلمات کا رسم عثمانی یا رسم مصحف توجہ طلب ہے۔ باقی تمام کلمات کا رسم املائی اور رسم قرآنی یکساں ہے۔ الشیطن - مِمّا - متاعٌ - ادم - کلمٰت تفصیل یوں ہے:-

(۱) " الشیطٰن " ـــ یہ لفظ عام عربی املاء میں " الشیطان " ہی لکھا جاتا ہے مگر اس کا متفق علیہ عثمانی (قرآنی) رسم الخط بحذف الالف (بعد الطاء) ہے یعنی یہ لفظ قرآن کریم میں ہر جگہ " الشیطٰن " کی املاء (بحذف الف) سے ہی لکھا جاتا ہے۔ ترکی، ایرانی اور چینی مصاحف میں اسے رسم املائی کے ساتھ لکھے جانے کا رواج ہو گیا ہے جو رسم مصحف کی خلاف ورزی ہے۔

(۲) " مِمّا " یہ لفظ جو دراصل " مِنْ مَا " ہے یہاں بھی اور قرآن کریم میں عموماً ہر جگہ موصول یعنی " مِمّا " (من اور ما کو ایک لفظ بنا لینے کی طرح) لکھا جاتا ہے۔ اس اصول کی مستثنیات وغیرہ کا ذکر اس سے پہلے ۲ : ۲ : ۳ میں ہو چکا ہے۔

(۳) " مَتَاع " اس لفظ کی عام (معتاد) املاء ہی (باثبات الالف بعد التاء) ہے۔ مگر اس کا رسم عثمانی مختلف فیہ ہے۔ الدانی کی اس

© rasailojaraid.com

تصریح کی بناء پر کہ " فَعَال " کے وزن پر آنے والے کلمات قرآن کریم میں باثبات الف ہی لکھے جاتے ہیں[۱] اہل لیبیا اپنے مصاحف میں اسے " متاع " (باثبات الف) لکھتے ہیں۔ افریقی اور عرب ممالک ابوداؤد کی طرف منسوب تصریح کی بناء پر اسے بحذف الف یعنی " متع " لکھتے ہیں۔

(۴) " ادم " (یعنی آدم) کا رسم عثمانی ایک الف کے ساتھ ہے جس میں ابتدائی ہمزہ لکھنے میں گرا دیا جاتا ہے (دراصل أَأْدَمُ تھا) پھر اس محذوف ہمزہ کو ضبط کے مختلف طریقوں سے ظاہر کیا جاتا ہے (ءَا ، اٰ ، آ وغیرہ) اس قاعدے کے بارے میں (لفظ " الاخرة " کے رسم کے ضمن میں) پہلے مفصل بحث گزر چکی ہے۔ دیکھئے ۲ : ۳ : ۳ ۔

(۵) " كَلِمٰتٍ " جو " كلمة " کی جمع مؤنث سالم ہے اور جس کی عام عربی املاء " كلمات " ہے۔ قرآن کریم میں یہاں اور ہر جگہ بحذف الالف (بعد المیم) لکھا جاتا ہے (یعنی " كلمت ") اور یہ اس کا متفق علیہ رسم عثمانی ہے۔ اسے برسم املائی (كلمات) لکھنا (جیسا کہ ترکی اور ایران میں رواج ہے) رسم مصحف کی خلاف ورزی ہے۔

۲ : ۲۶ : ۴ الضبط

اس قطعہ کے مختلف کلمات کے مربوط ضبط (سابقہ کلمات کے ساتھ وصل یعنی ملا کر تلفظ والے ضبط) میں تنوع کی صورتیں درج ذیل نمونوں سے معلوم ہوں گی۔

---

[۱] سمیر الطالبین ص ۳۹ ۔ اس اختلاف کی تفصیل کے لیے دیکھئے الفاتحہ : ۶ یعنی ۲ : ۵ : ۳ ۔

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

فَاَزَلَّهُمَا ، فَاَزَلَّهُمَا ، فَاَزَلَّهُمَا ، بِاَزَلَّهُمَا /
الشَّيْطٰنُ ، الشَّيْطٰنُ ، الشَّيْطٰنُ /
عَنْهَا ، عَنْهَا ، عَنْهَا / فَاَخْرَجَهُمَا ،
فَاَخْرَجَهُمَا ، فَاَخْرَجَهُمَا ، بِاَخْرَجَهُمَا /
مِمَّا ، مِمَّا ، مِمَّا / كَانَا ، كَانَا ، كَانَا / فِيْهِ ، فِيهِ ،
فِيهِ ، فِيهِ / وَ قُلْنَا ، قُلْنَا ، قُلْنَا /
اهْبِطُوا ، اهْبِطُوا ، اهْبِطُوا / بَعْضُكُمْ ،
بَعْضُكُمْ / لِبَعْضٍ ، لِبَعْضٍ / عَدُوٌّ ،
عَدُوٌّ ، عَدُوٌّ / وَلَكُمْ ، لَكُمْ / فِي
الْاَرْضِ ، فِي الْاَرْضِ ، فِي الْاَرْضِ /
مُسْتَقَرٌّ ، مُسْتَقَرٌّ ، مُسْتَقَرٌّ / وَّمَتَاعٌ ،
وَمَتَاعٌ ، وَمَتٰعٌ (بحذف الف) / اِلٰى ، اِلٰى ،
اِلٰى / حِيْنٍ ، حِيْنٍ ، حِيْنٍ ، حِيْنٍ /
فَتَلَقّٰى ، فَتَلَقّٰى ، فَتَلَقّٰى / اٰدَمُ ، ءَادَمُ ،
اٰدَمُ / مِنْ رَّبِّهٖ ، مِنْ رَّبِّهٖ ، مِنْ رَّبِّهٖ
كَلِمٰتٍ ، كَلِمٰتٍ ، كَلِمٰتٍ /

© rasailojaraid.com

فَتَابَ ، فَتَابَ ، بَتَابَ / عَلَيْهِ / اِنَّهُ ،
اِنَّهُ ، اِنَّهُ / هُوَ / التَّوَّابُ ، التَّوَّابُ ،
اَلتَّوَّابُ ، اَلتَّوَّابُ ، / الرَّحِيْمُ ، الرَّحِيْمُ
اَلرَّحِيْمُ ، اَلرَّحِيْمُ -

بقیہ: شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ

ہوئے اس کی عام خصوصیت یہ بھی ہے کہ علمِ حدیث کے متعلق فارسی زبان میں، جو ملک کی عام زبان تھی، تصنیف و تراجم کی بنیاد ڈالی۔ خود شاہ صاحب نے مشکوٰۃ وغیرہ کا ترجمہ کیا اور اُن کے صاحبزادے شیخ نورالحق نے صحیح بخاری کا۔" [1]

علامہ سیّد سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء) فرماتے ہیں:

"(شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ) کا دوسرا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ان کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا اور فارسی میں اُن کی شرحیں لکھیں۔" [2]

---

[1] تذکرہ، ص ۳۰۴ [2] مقالات سلیمان، ج ۲، ص ۷۵

توجّہ فرمائیے

تمام قارئین حضرات بالخصوص تنظیم کے رفقاء اور انجمن کے اراکین کی یاددہانی کے لیے عرض ہے کہ اپنے نام و پتہ کے لیبل پر درج زرِ تعاون ختم ہونے کی تاریخ کے مطابق آئندہ زرِ تعاون کی ادائیگی کا اہتمام جلد فرمایا کریں۔
یا کم از کم مطلع کر دیا کریں کہ پرچہ جاری رکھا جائے!

(سرکولیشن مینجر)

© rasailojaraid.